بکری دو گاؤں کھا گئی
اور
دوسرے ڈرامے

م۔ ندیم



قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

بکری دو گاؤں کھا گئی
اور
دوسرے ڈرامے

م۔ ندیم



قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

پہلی اشاعت	:	1987
تیسری طباعت	:	2010
تعداد	:	550
قیمت	:	-/14 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	522

Bakri do Gaon kha gai
aur dosre Dramey

by
M. Nadeem

ISBN :978-81-7587-360-5

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی110025

فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: جے۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-110006

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کر سکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

چوہے مارو

کردار :

بادشاہ، وزیر، اور چوہوں سے پریشان شہر کے لوگ نوکر اور سپاہی وغیرہ۔

پہلا منظر

بادشاہ کے محل کا بڑا ہال۔ میزوں کے گرد خوبصورت کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ کرسیوں پر بہت سارے لوگ بھڑک دار لباس پہنے بیٹھے ہوئے ہیں، ان میں درباری اور شہر کے معزز لوگ اور تاجر وغیرہ ہیں۔ بادشاہ نے چوہوں سے چھٹکارا پانے کے لیے ان سب لوگوں کو مدعو کیا ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(چاؤش آواز لگاتا ہے)

' باادب باملاحظہ ہوشیار، بادشاہ سلامت تشریف لا رہے ہیں !

(حاضرین کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ سلامت آتے ہیں اور ایک مخصوص کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں)

بادشاہ سلامت :۔ آپ سب حضرات تشریف رکھیں۔ میں نے آپ

سب کو ایک بہت ضروری کام کے سلسلہ میں تکلیف دینے کے
لیے بلایا ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ ہماری راجدھانی کے
لوگ چوہا گردی سے پریشان ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے محل
میں بھی چوہوں کا زور ہے۔ پس جو بھی چوہے ختم کرنے کی
کارگر ترکیب بتائے گا، مابدولت اس کو انعام واکرام
کے علاوہ خطاب سے بھی نوازیں گے۔

ایک معزز آدمی :۔ حضور والا، ہمارے یہاں کے چوہے اتنے دلیر اور نڈر
ہیں کہ بلّیاں بھی اُن سے ڈرتی ہیں اور دُم دبا کر بھاگتی ہیں
کیوں نہ ہم ولایت سے بلّیاں منگائیں۔ سُنا ہے کہ وہاں کی
بلّیاں ہمارے مُلک کی بلّیوں سے زیادہ دلیر ہوتی ہیں۔

بادشاہ سلامت :۔ آپ کی تجویز معقول ہے۔ وزیر اعظم، تحریر کیجیے!

دوسرا معزز شہری :۔ عالم پناہ، کیوں نہ ہم اس معاملہ میں اپنے مُلک کے مشہور
حکیموں اور طبیبوں کی مدد لیں، کیوں نہ وہ ایسی معجون
تیّار کریں جس کو کھا کر چوہے چھ مہینے سوتے رہیں۔

بادشاہ سلامت :۔ آپ کی تجویز بھی مناسب ہے۔ تحریر کی جائے۔

تیسرا شہری :۔ حضور والا! ہمارے مُلک کے حکیم کیوں نہ ایسی دوا ایجاد
کریں جس کو کھا کر چوہے اندھے ہو جائیں۔

چوتھا شہری :- عالم پناہ۔ ایسی دوا کیوں نہ تیار کریں جس کو کھا کر وہ مر ہی
جائیں اندھے ہونے سے کیا فائدہ ہوگا۔ ؟

بادشاہ سلامت :- ہوں۔ آپ صاحبان کی رائے بہت باوزن ہے۔

وزیر اعظم :- لیکن حضور والا، اللہ تعالیٰ نے چوہوں کو بھی عقل دی ہے
ضروری نہیں کہ جو ہم اُن کو کھلانا چاہیں وہ کھالیں۔

بادشاہ سلامت :- آپ کا خیال درست ہے وزیر اعظم۔

پانچواں شہری :- ایسی دوا ہرگز نہ تیار کی جائے جس کو کھا کر چوہے مرنے لگیں
کیوں کہ اگر بڑے پیمانے پر چوہے مرنے لگے تو طاعون پھیل
سکتا ہے۔۔۔!

بادشاہ سلامت :- (گھبرا کر) نہیں۔ نہیں۔ طاعون بڑا موذی مرض ہے،
میرے پردادا کے دادا فردوس مکانی کے زمانہ میں اس مرض
سے لاکھوں انسان لقمۂ اجل ہوگئے تھے۔ نا بھئی نا ایسی دوا بالکل
تیار نہیں کی جائے گی۔

ایک معزز آدمی :- ظلِ الٰہی ! کیوں نہ ایک "چوہے مار" محکمہ الگ سے قائم
کر دیا جائے، اور ایک وزیر باتدبیر کو اس کا نگراں مقرر
فرما دیا جائے۔

بادشاہ سلامت :- بہت مناسب تجویز ہے۔ تحریر کیا جائے۔

وزیر اعظم :۔ جو حکم عالی جاہ۔

دوسرا آدمی :۔ مہابلی۔ کیوں نہ ہم چوہوں کے لیے ایک الگ علاقہ مقرر کردیں یعنی سارے چوہے پکڑ کر اس علاقہ میں چھوڑ دیے جائیں اُن کے کھانے پینے کا انتظام کر دیں۔ وہ اس علاقہ میں رہیں اور وہاں سے باہر نہ نکلیں۔ مسئلہ حل ہو جائے گا۔!

بادشاہ سلامت :۔ (مسکراتے ہیں) کیا لاجواب حل پیش کیا ہے آپ نے! اس پر بھی غور کیا جائے گا۔

تیسرا آدمی :۔ حضور۔ سانپوں کا تحفظ کیا جائے۔ سانپ چوہے کھاتا ہے وہ چوہوں کا دشمن ہے۔ ہر روز ہمارے ملک میں اَن گنت سانپ بے قصور مارے جاتے ہیں۔ سانپ مارنے کی سزا بیس سال قیدِ بامشقت مقرر کی جائے۔!

بادشاہ سلامت :۔ تجویز مناسب ہے۔ سانپوں کو نہ مارا جائے اس پر غور کیا جائے گا۔

وزیر اعظم :۔ مگر حضور والا ایک تجویز اس خاکسار کی بھی ہے۔ سانپوں کا تحفظ ملک کا مستقل قانون نہ بن جائے۔ جیسے ہی چوہے ختم ہو جائیں۔ سانپوں کے مارنے پر پابندی اُٹھالی جائے۔ ورنہ سانپ اتنے بڑھ جائیں گے کہ اُن کے مارنے کے لیے مُہم چلانی پڑے گی۔

بادشاہ سلامت :۔ آپ کی تجویز نہایت معقول ہے۔ صرف ایک یا دو سال کے لیے سانپ نا مارے جائیں۔ سانپ تو انسان کا دُشمن ہے اس سے مستقل دوستی ناممکن ہے ۔!

ایک آدمی :۔ حضور والا! اگر سانپوں کو تحفظ دیا جا رہا ہے تو اُلّو چیل اور گدھ کوّے وغیرہ پر بھی نظرِ کرم کیجیے۔ یہ بھی چوہوں کے دُشمن ہیں۔ اور دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے!

بادشاہ سلامت :۔ ضرور، ضرور! ہر وہ جانور اور پرندہ جو چوہوں کا دشمن ہے ہماری مہربانی کا مستحق ہے۔

دوسرا آدمی :۔ میں نے مُلک ولایت میں لوگوں کو، خاص کر عورتوں کو چوہے کی کھال کے دستانے پہنے دیکھا ہے۔ کیوں نہ ہم بھی اپنے ملک میں یہ چیزیں تیار کریں، چوہے بھی مر جائیں گے اور صنعت میں بھی ترقی ہوگی، مالی فائدہ بھی ہوگا۔

بادشاہ سلامت :۔ لیکن ہمارے مُلک کے لوگ چوہے کی کھال کو ناپاک سمجھتے ہیں وہ اس کی کھال کو استعمال تو کیا چھونا بھی پسند نہ کریں گی۔

(سب لوگ) بجا ارشاد فرماتے ہیں حضور۔ بجا ارشاد فرماتے ہیں حضور۔!

ایک آدمی :۔ بندہ پرور، ہمارے مُلک میں ہر سال ہزاروں مَن غلّہ یہ چوہے کھا جاتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ہم غلّہ کی پیداوار بڑھانے کی طرف

بھی توجہ کریں تاکہ چوہے بھی کھاتے رہیں اور انسان بھی بھوکے
نہ مریں۔!

بادشاہ سلامت :۔آپ چوہا نواز انسان معلوم ہوتے ہیں۔ تجویز تحریر کی جائے۔

(حاضرین ہنستے ہیں)

بادشاہ سلامت :۔ کوئی اور تجویز برائے دفع موش۔!

(خاموشی رہتی ہے)

میرا خیال ہے کہ آپ حضرات بھی بھوکے ہوں گے۔ کھانے کا
وقت بھی ہوگیا ہے۔ کھانا کھالیا جائے۔!

(سب لوگ اٹھ کر دوسرے بڑے ہال میں جاتے ہیں میزوں
پر کھانا چنا ہوا ہے۔ خادم گرم گرم شیرمالیں اور روٹیاں
لاتے ہیں پلیٹوں اور چمچوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ کھانے
کی خوشبو پاکر چوہوں کا غول کھانے پر ٹوٹ پڑتا ہے۔
میز پر رکھی ہوئی قابوں اور پلیٹوں میں چوہے ہی چوہے
نظر آتے ہیں حاضرین گھبرا کر ادھر ادھر بھاگتے ہیں۔)

بادشاہ سلامت :۔ (غصہ میں) آپ لوگوں کی ساری تجویزیں فضول ہیں،
ایک دم بکواس۔ چوہے منہ سے نوالہ چھینے لیے جا رہے ہیں،
اور آپ لوگ ترکیبیں بتا رہے ہیں۔

آپ کی بتائی ہوئی ترکیبوں سے مُلک میں بلّیاں، سانپ، کُتّے
اُلّو اور گدھ تو بڑھیں گے اور چوہے کم نہیں ہوں گے۔!

وزیرِ اعظم:۔ (نہایت ادب کے ساتھ، ڈرتے ڈرتے) جہاں پناہ... ہم
لوگوں کی عقل تو اس سے آگے کام نہیں کرتی... اب آپ ہی
کوئی ترکیب بتائیے۔!

بادشاہ:۔ ہاں۔ میری ایک تجویز ہے جس پر عمل کرنے سے چوہوں سے
نجات مل سکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ میں یہ حکم دیتا ہوں کہ
وزیر، سپہ سالار، سپاہی، امیر، غریب، مرد عورت جوان
بوڑھا، بچّہ، تندرست اور بیمار آج سے بلکہ اسی وقت سے
چوہے مارنے پر لگ جائیں۔ راجدھانی کے سارے اسکول
اور دفاتر بند کر دیے جائیں۔ ہر چوہے پر ایک ٹکا انعام
مقرّر کیا جائے۔!

وزیرِ اعظم:۔ بہت بہتر ظلِ الٰہی۔ آپ کی تجویز بلکہ حکم بہت عمدہ ہے۔
(حاضرین)۔ بہت عمدہ تجویز ہے حضور کی۔

بادشاہ سلامت:۔ وزیرِ اعظم، ایک ہفتہ کے اندر مجھے یہ خوش خبری
سنائیے کہ ہمارے شہر میں چوہے کا ایک بچّہ بھی
نہیں رہا...

وزیر اعظم :- (گھبرا کر) بہتر ہے۔ بہتر ہے۔ میں ابھی رپورٹ تیار کرتا ہوں
کہ چوہے بالکل ختم ہو گئے۔

بادشاہ سلامت :- نہیں۔ پہلے اعلان کیجیے اور آپ بھی جا کر چوہے ماریے!

وزیر اعظم :- بجا ارشاد!

(حاضرین گھبرا کر ہال سے نکلتے ہیں۔۔)

مہمان

کردار :-

ابراہیم :- شمعون کے باپ کا قاتل۔

شمعون :- قبیلہ کا سردار

سپاہی اور خادم وغیرہ

پہلا منظر

آدھی رات کا وقت ہے۔ ابراہیم گھوڑے پر سوار ہے۔ ایک مکان کے پھاٹک پر آن کر گھوڑے سے اترتا ہے پھاٹک کی بھاری زنجیر کھٹکھٹاتا ہے (اندر سے سپاہی کی آواز آتی ہے

سپاہی :- کون ہے؟

ابراہیم :- ایک مسافر رات گزارنا چاہتا ہوں۔ بہت دور سے آیا ہوں۔

سپاہی :- اچھا ٹھہرو۔ (پھاٹک کی کھڑکی کھلتی ہے اور چند سپاہی ہاتھوں میں تلواریں اور مشعل لیے باہر آتے ہیں۔

سپاہی :- اپنی تلوار اور خنجر ہمارے حوالے کر دو، اور ہمارے ساتھ اندر چلو۔ تم کو کوئی خطرہ نہیں ہے، تم ہمارے مہمان ہو۔

ابراہیم :- (اپنی تلوار اور خنجر اُن کے حوالے کر دیتا ہے اور اندر چلا جاتا ہے) میں اور میرا گھوڑا بہت تھکے ہوئے ہیں اور بھوکے بھی ہیں۔

خادم :- آپ ہاتھ مُنھ دھو لیں۔ ابھی کھانا پیش کرتا ہوں ہمارے آقا کا حکم ہے کہ چوبیس گھنٹے کھانا تیّار رکھا جائے۔ نا جانے کس وقت کون مہمان آجائے۔!

ابراہیم :- تمھارے آقا بہت مہمان نواز اور نیک دِل انسان ہیں۔

خادم :- آپ دُرست فرماتے ہیں۔ ہمارے آقا بہت سخی ہیں۔ آپ اُن سے مِل کر بہت خوش ہوں گے۔

ابراہیم :- یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھے ایسے شریف انسان کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ میں ان سے ضرور ملاقات کروں گا۔!

خادم :- (دسترخوان سمیٹتے ہوئے) آپ کے لیے بستر تیّار ہے۔ اب

آپ آرام فرمائیں۔ شب بخیر۔

ابراہیم :- بخیر!

دوسرا منظر

(خوبصورتی سے سجا ہوا کمرہ۔ ابراہیم اور شمعون قالین پر گاؤ تکیے لگائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سامنے حقّہ رکھا ہوا ہے۔)

شمعون :- اگر میرا خیال ٹھیک ہے تو آپ کسی سخت پریشانی میں مُبتلا ہیں۔ بتائیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟

ابراہیم :- (ذرا دیر سوچ کر) آپ کا خیال درست ہے۔ لیکن میں آپ جیسے مہربان اور مہمان نواز سے اپنی پریشانی کا اظہار کر کے آپ کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔

شمعون :- عزیز مہمان، اگر آپ مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں تو اپنی پریشانی ضرور بیان فرمائیں۔ آپ پردیس میں ہیں، ممکن ہے میں آپ کی مدد کر سکوں۔

ابراہیم :- اب آپ مجھے مجبور کرتے ہیں تو عرض کرنا ہی پڑے گا۔ بات یہ ہے کہ چند لوگ میری جان کے دشمن ہیں، میں بڑی مشکل سے

جان بچا کر اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا ہوں۔

شمعون :۔ بس اتنی سی بات ہے۔ آپ میرے مہمان ہیں اور میری پناہ میں ہیں میں شمعون آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی بھی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ابراہیم :۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں جناب۔

شمعون :۔ شکر گزار تو مجھے ہونا چاہیے کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا، یہ ہمارے قبیلہ کی روایت رہی ہے کہ ہم اپنے مہمان کی جان و مال کی عزت و حفاظت میں اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

ابراہیم :۔ میں اس کے لیے آپ کا تمام عمر احسان مند رہوں گا۔

شمعون :۔ نہیں۔ یہ میرا فرض ہے۔ اب آپ بے فکر ہو جائیں۔

ابراہیم :۔ شکریہ محترم شمعون!

تیسرا منظر

(شمعون اپنے کمرے میں بے چینی کے انداز میں ٹہل رہا ہے۔ فکر اور پریشانی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی ہے۔ ابراہیم داخل ہوتا ہے)

ابراہیم :- السلام علیکم۔ کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں ؟

شمعون :- وعلیکم السلام ! آیئے ، آیئے۔ کہیے آپ کے مزاج کیسے ہیں؟ میں ایک ہفتہ سے آپ سے ملاقات نہیں کر سکا۔۔۔۔۔کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی آپ کو۔۔۔۔۔!

ابراہیم :- تکلیف کیسی۔ اپنے گھر سے زیادہ آرام ہے یہاں۔ کئی روز سے آپ کو نہیں دیکھا۔ سوچا خیریت معلوم کر لوں۔ خادم سے معلوم ہُوا کہ آج کل آپ روزانہ صبح کسی مہم پر نکل جاتے ہیں اور رات گئے واپس آتے ہیں۔۔۔!

شمعون :- ہاں! آج کل میں ایک پریشانی سے دوچار ہوں۔

ابراہیم :- خیر تو ہے۔ بتایئے، شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔

شمعون :- کاش آپ میری مدد کر سکتے۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔ شاید نہیں کر سکتے ، بات صرف اتنی سی ہے کہ چند ماہ قبل میرے باپ کو ایک شخص نے قتل کر دیا تھا۔ میرے آدمیوں نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ قاتل آج کل اسی علاقے میں آیا ہُوا ہے۔۔۔۔۔میں اس کی تلاش میں روزانہ صبح نکلتا ہوں۔

ابراہیم :- کیا اُس قاتل کا کوئی پتہ چلا ؟

شمعون :- نہیں اب تک کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ میرا سکون، میری نیند، بھوک

اور پیاس سب ختم ہوگئی ہے۔اور جب تک میں قاتل کے خون سے اپنی تلوار کی پیاس نہ بجھالوں گا مجھے سکون نہیں ہوگا!

ابراہیم :۔ (افسوس کے لہجے میں) یہ تو واقعی بہت افسوسناک خبر ہے۔

شمعون :۔ مجھے فکر ہے کہ کہیں قاتل ہاتھ سے نکل نہ جائے، ورنہ مجھے تمام زندگی افسوس رہے گا۔

ابراہیم :۔ (کچھ دیر سوچتا ہے) محترم میزبان اگر میں آپ کے باپ کے قاتل کو آپ کے سامنے حاضر کر دوں تو.....!

شمعون :۔ یہ تو آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا۔

ابراہیم :۔ اور آپ کے دِل میں انتقام کی لگی ہوئی آگ بھی بجھ جائے گی....

شمعون :۔ کیا آپ اِس قاتل سے واقف ہیں؟

ابراہیم :۔ میں اُسے خُوب جانتا ہوں۔!

شمعون :۔ تو خدارا بتایئے۔کہاں ہے وہ، ؟

ابراہیم :۔ (ذرا آگے بڑھ کر) محترم دوست، اس قاتل کا نام ابراہیم ہے اور وہ آپ کے سامنے کھڑا ہے۔

شمعون :۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ سچ بتایئے قاتل کہاں ہے؟

ابراہیم :۔ یقین کیجیے.... میں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ہی آپ کے والد بزرگوار کا قاتل ہوں۔ میں آپ کی پریشانی

نہیں دیکھ سکتا... آپ کی مہمان نوازی اور شرافت نے مجھے آپ کا غلام بنا لیا ہے۔ یہ بزدلی ہوگی کہ میں یہاں سے چوروں کی طرح بھاگ نکلوں۔ خون کا بدلہ خون ہے آپ تلوار چلائیے.... اور اپنے باپ کے خون کا بدلہ لیجیے۔

شمعون:۔ (غصہ میں کانپ جاتا ہے)۔ ہاتھ ملتا ہے.... اِدھر اُدھر ٹہلتا ہے۔ اُس کا ہاتھ تلوار کے دستہ پر مضبوط ہو جاتا ہے ... وہ تلوار نکالتا ہے.... لیکن پھر نیام کے اندر رکھ دیتا ہے) اُف۔ ابراہیم تم.... تم میرے مہمان ہو اور تم ہی میرے باپ کے قاتل ہو!

[ابراہیم سر جھکائے ہوئے کھڑا رہتا ہے]

شمعون:۔ تم نے میرے وعدے اور میرے فرض کو للکارا ہے۔ میرا جذبۂ انتقام مجھے تمہارا خون کرنے پر اُکساتا ہے.... مگر میرا پناہ دینے کا وعدہ میرا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔ میں تم کو خراش بھی نہیں پہنچاؤں گا۔

ابراہیم:۔ آپ بھول رہے ہیں... میں ایک قاتل ہوں.... آپ نے جب مجھے اپنے یہاں پناہ دی تھی تو اس وقت آپ کو یہ علم نہیں تھا۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لیں..!

ورنہ آپ کے والد کی روح آپ کو کبھی معاف نہ کرے گی!

شمعون :- نہیں، نہیں، مجھے گمراہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں اپنے قبیلہ اور خاندان کی روایت پر حرف نہیں آنے دوں گا۔ خدا کی قسم میری جگہ اگر میرا باپ بھی ہوتا اور تم اُس کے بیٹے کے قاتل ہوتے اور تم اس کی پناہ میں ہوتے، تب بھی وہ تم سے بدلہ نہ لیتا... اور تم کو معاف کر دیتا۔!

.... جاؤ میں نے تم کو معاف کیا .... خدا بھی معاف فرمائے۔ اور یہ لو اشرفیوں کی تھیلی .... جتنی جلد ہو سکے یہاں سے بہت دُور نکل جاؤ۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے خاندان والوں کو پتہ چل گیا تو وہ تم کو نقصان پہنچائیں گے۔

ابراہیم :- میں آپ کے احسان کو کبھی نہ بھولوں گا .... اور اب میری تلوار کبھی خون سے رنگین نہ ہوگی۔!

[باہر نکل جاتا ہے]

(پردہ گرتا ہے)

ڈاکو

جگّا :- ایک خطرناک ڈاکو۔

بابا جی :- ایک نیک دِل سادھو۔

پہلا منظر

جنگل کا منظر، صبح کا وقت ہے۔ بابا جی کے کندھے پر ایک جھولا لٹکا ہُوا ہے ہاتھ میں ایک کمنڈل ہے۔ چہرے پر شانتی ہے ۔ وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے آتے دکھلائی دیتے ہیں۔ اُن کی کھڑاؤں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ کھَٹ! کھَٹ!! کھَٹ کھَٹ!!

(ایک پیڑ کی آڑ سے جگّا ڈاکو نکلتا ہے۔ اس کی شکل ڈراؤنی ہے۔ ایک ہاتھ میں تلوار ہے)

جگّا :- رُک جاؤ!

بابا جی :- (رُک کر پیچھے دیکھتے ہیں) کیا بات ہے بچّہ؟

جگّا :- میرا نام جگّا ڈاکو ہے۔

باباجی :- سُکھی رہو بچّہ۔ کیا چاہتے ہو ؟

جگّا :- جو کچھ تمھارے پاس ہے نکال کر یہاں رکھ دو ـــ !

باباجی :- (ہنس کر) جگّا بیٹا۔ ہمارے پاس دھن دولت کہاں - ہم تو سادھو سنت ہیں۔ کچھ کپڑے، لُٹیا اور ہاں چند سکّے ہیں، تم شوق سے لے سکتے ہو۔ لیکن میرا ایک سوال ہے کیا تم جواب دوگے ؟

جگّا :- وہ کیا ہے ؟

باباجی :- تُم انسانوں کو کیوں لوٹتے ہو ؟

جگّا :- بہت سیدھا سا جواب ہے۔ میرے بیوی بچّے ہیں، ماں باپ ہیں ان کا پیٹ بھرنے کے لیے۔

باباجی :- لیکن بیٹا جگّا، کیا تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ انسانوں کو ستانا، لوٹنا، مارنا پاپ ہے اور تم کو اس پاپ کی سزا اگر اِس دنیا میں نہیں تو دوسری دُنیا میں ضرور ہی ملے گی۔ اور صرف تم کو ہی ملے گی۔

جگّا :- صرف مجھے ہی کیوں، میرے ماں باپ اور بیوی بچّے بھی اس پاپ میں برابر کے حصّہ دار ہیں۔

بابا جی :- لیکن ان بُرے کرموں کے تم اکیلے ہی ذمّہ دار ہو۔

جگّا :- واہ، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جن کے لیے میں لوٹ مار کرتا ہوں وہ بھی اس سزا کے لیے ذمّہ دار ہوں گے۔

بابا جی :- یہی تو تمہاری بھول ہے بچّہ، تم جاکر اپنے ماں باپ اور بیوی بچّوں سے پوچھو کہ تم جو پاپ کرتے ہو اس کے لیے جو بھگوان کے یہاں سزا ملے گی کیا وہ لوگ اس کے لیے تیار ہیں اور کیا وہ تمہارے بُرے کاموں میں تمہارے ساجھی ہیں؟

جگّا :- (ہنستا ہے) خوب ترکیب بتائی تم نے بابا جی۔ یعنی میں جب تک گھر جاکر واپس آؤں تو تم نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ تم جگّا کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

بابا جی :- نہیں جگّا بیٹا میں تم کو دھوکہ نہیں دے رہا ہوں میں تو تمہارے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں.... اچھا تو تم ایسا کرو کہ میرے ہاتھ پیر باندھ دو تاکہ میں کہیں بھاگ نہ سکوں۔

جگّا :- (سوچتا ہے) اچھی بات ہے بابا.... شاید تم ٹھیک کہتے ہو، آج یہ بھی فیصلہ ہو جائے کہ کون سچا ہے!

(جگّا بابا جی کو ایک پیڑ سے باندھ دیتا ہے، اور چلا جاتا ہے)

دوسرا منظر

(وہی جگہ ہے۔ باباجی ایک [illegible] سے بندھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جگا آتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ چپ چاپ باباجی کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں کھولتا ہے۔)

باباجی :- کیا ہوا بچہ؟ تم نے پوچھ لیا اپنے خاندان والوں سے ۔ کیا جواب دیا؟

جگا :- باباجی۔ اب تک میں بڑے دھوکے میں تھا۔ لیکن آج میری آنکھیں کھل گئیں۔ میرے ماں باپ، میری بیوی اور بچے کوئی بھی میرے بُرے کاموں میں ساتھی نہیں ہیں۔ کھائیں ۔ پانچ سات اور سزا بھگتے اکیلا جگا۔ میں بڑا مورکھ تھا۔

باباجی :- ہاں جگا بیٹا: اس دنیا میں بُرے کاموں کا کوئی ساتھی بننے کو تیار نہیں ہوتا۔ لیکن تم چنتا نہ کرو، صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو بھولا نہیں کہلاتا۔

جگا :- مجھے بہت دکھ ہے اپنے بُرے کاموں پر باباجی۔!

باباجی :- اب تم اچھے کام کرو، ساری دنیا تمھارے ساتھ ہوگی۔ جو

ہوا اُسے بھول کر نئی زندگی شروع کرو۔۔۔!

جگا :- (باباجی کے پیروں پر گر پڑتا ہے) آج آپ نے میرے مَن کی آنکھیں کھول دیں باباجی میں نے اب تک بہت پاپ کیے، انسانوں کو بہت ستایا۔۔ لیکن اب میں بے سہاروں کا سہارا بنوں گا۔ کمزوروں کی مدد کروں گا۔ کبھی پاپ نہیں کروں گا۔ آج سے آپ میرے گرو ہیں۔۔۔

(باباجی جگا کو اپنے سینہ سے لگا لیتے ہیں)

باباجی :۔۔ اب تم آج سے جگا نہیں جگ سیوک ہو۔ چلو نئی دنیا تمھارا انتظار کر رہی ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

اصلی اور نقلی

کردار :۔ راجا، وزیر اعظم، سپاہی، دو عورتیں اور ایک بچّہ۔

پہلا منظر

راجا کا دربار لگا ہوا ہے۔ راجا تخت پر بیٹھا ہے۔ اُس کے سر پر مکٹ ہے۔ گلے میں موتیوں کی مالائیں پڑی ہیں۔ وہ بھڑک دار لباس پہنے ہوئے ہے۔ دو نوکر مور چھل جھل رہے ہیں سامنے قطاروں میں درباری کھڑے ہوئے ہیں۔

راجا :۔ کوئی مقدمہ ہو تو پیش کیا جائے۔

(دو عورتیں داخل ہوتی ہیں۔ ایک کی گود میں بچّہ ہے۔ آگے آگے سپاہی ہے) سپاہی ادب سے سر جھکاتا ہے۔

سپاہی :۔ مہاراج کی جے ہو!

راجا :۔ اِن عورتوں کے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے۔ اِن کو کس نے ستایا ہے؟

سپاہی :۔ مہاراج کی جے ہو : مہاراج کی نگری میں ایک بھی ظالم نہیں رہا چور، ڈاکو اور ٹھگ بھی نہیں، رشوت خور اور جعلساز سب نگری چھوڑ کر بھاگ گئے، چاروں طرف شانتی اور سکھ ہے ۔۔۔!

راجا :۔ پھر ان عورتوں کو کس نے ستایا ہے۔ اور یہ ان کی گود میں معصوم بچّہ کس ظلم کی فریاد لے کر آیا ہے ؟

سپاہی :۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ یہ دونوں عورتیں آپس میں لڑ رہی تھیں۔

راجا :۔ (ہنس کر) کیا دو عورتوں کی آپسی لڑائی سے ہماری نگری کی شانتی کو خطرہ ہو سکتا ہے ؟

سپاہی :۔ مہاراج ! اِن دو عورتوں کی لڑائی میں ایک معصوم بچّہ کی جان کو خطرہ ہے۔ لڑائی کی وجہ یہ بچّہ ہی ہے۔

راجا :۔ معصوم بچّہ اور جھگڑے کا کارن ! وہ کیسے ؟

سپاہی :۔ یہ دونوں عورتیں اس بچّے کو اپنا بتاتی ہیں۔

راجا :۔ واہ، اس میں لڑنے کی کیا بات ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ بچّہ بڑا ہی خوش قسمت ہے، اسے دو مائیں مِل کر پرورش کریں گی۔

سپاہی :۔ نہیں مہاراج ۔ اس بچّے کو دو مائیں مِل کر نہیں پال سکتیں کیوں کہ ایک اصلی ہے اور دوسری نقلی ہے۔ ایک پورب میں رہتی ہے

اور دوسری پچھم میں۔

راجا : انسان کے بچے سے تو جانور کا بچہ اچھا ہوتا ہے (وزیر کی طرف مخاطب ہو کر) کیوں منتری جی، کیسا خیال ہے آپ کا ؟

منتری:۔ ہاں مہاراج۔ آپ سچ کہتے ہیں، جانور کے ایک بچے کو دو انسان مل کر پال سکتے ہیں۔ لیکن انسان کے ایک بچے کو مل کر دو مائیں نہیں پال سکتیں۔

راجا :۔ بس ثابت ہوا کہ بعض حالتوں میں جانور انسانوں سے اچھے ہیں۔

منتری:۔ آپ سچ کہتے ہیں مہاراج۔!

راجا :۔ (ایک عورت سے مخاطب ہو کر جس کی گود میں بچہ ہے) کیا یہ تمہارا ہی بچہ ہے ؟

عورت:۔ ہاں مہاراج۔ یہ بچہ میرا ہی ہے۔

دوسری عورت:۔ نہیں، نہیں مہاراج۔ یہ بچہ میرا ہے۔ یہ عورت ڈائن ہے۔ میرے بچے کو مار ڈالنا چاہتی ہے۔ بھگوان کے لیے انصاف کیجیے۔

راجا :۔ معاملہ گمبھیر لگتا ہے (تھوڑی دیر تک سوچتا ہے، پھر منتری جی کے کان میں کچھ کہتا ہے۔ منتری جی اپنا سر ہلاتے ہیں)

ٹھیک ہے۔ بہت سیدھا نسخہ ہے (چٹکی بجا کر) چونکہ بچّہ ایک
ہی ہے اور اس کی دو مائیں ہیں، اس لیے انصاف کا تقاضہ یہ
ہے کہ بچّے کے دو برابر برابر ٹکڑے کر کے دونوں کو بانٹ
دیے جائیں۔

منتری جی :۔ واہ مہاراج! کیا انصاف کیا ہے؟

راجا :۔ (ہنستا ہے) جلّاد کو فوراً حاضر کیا جائے۔

(جلّاد تلوار لیے آتا ہے جھک کر زمین چومتا ہے)

راجا :۔ (ایک عورت سے مخاطب ہو کر) کیا تم کو ہمارا انصاف پسند
آیا۔؟

عورت :۔ مہاراج کی جے ہو۔ آپ کا انصاف سر آنکھوں پر، بھلا میں آپ
کے انصاف کو نہ مانوں گی۔

دوسری عورت :۔ (بلک بلک کر روتی ہے) نہیں مہاراج۔ آپ کا انصاف،
انصاف نہیں ظلم ہے۔ رحم کیجیے، میرے بچّے کو نہ ماریے۔

راجا :۔ (غصّہ ہو کر) تم میرے فیصلہ کو ناانصافی اور ظلم کہتی ہو۔۔ ہم
جو بھی فیصلہ کرتے ہیں خوب سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔

دوسری عورت :۔ (ہاتھ جوڑ کر اور روتے ہوئے) مہاراج، آپ اپنے
دِل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے۔ کیا کوئی ماں اپنے بچّے کے ٹکڑے

ہوتے ہوئے دیکھ سکتی ہے۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتی۔ میرا لال جیتا
رہے۔ میرے لال کو نہ مار یئے اسے اس بے ایمان عورت کو
دے دیجیے لیکن بھگوان کے لیے دیا کیجیے مہاراج۔!

راجا :۔ (ہنس کر) اے عورت تیری بے باکی اور ہمّت سے ہم بہت
خوش ہوئے۔ تو سچ کہتی ہے، کوئی بھی ماں اپنے بچّے کے
ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ میں تو صرف یہ پرکھنا چاہتا تھا
کہ کون اصلی ماں ہے اور کون نقلی ماں ہے۔
(راجا حکم دیتا ہے) اس بچے کو اس کی اصلی ماں کے سپرد کر دیا
جائے اور اس نقلی ماں کو قید خانے میں ڈال دیا جائے۔
ہماری نگری میں ہمارے ہوتے ہوئے کوئی کسی کے ساتھ
ظلم نہیں کر سکتا۔

(سارے درباری نعرہ لگاتے ہیں)

"مہاراج کی جے ہو! مہاراج کی جے ہو!"

راجا :۔ نہیں۔ کہو" اِنصاف کی جے ہو!"

درباری :۔ " اِنصاف کی جے ہو" مہاراج کی جے ہو۔!

(پردہ گرتا ہے)

بکری ڈیڑھ گاؤں کھا گئی

کام کرنے والے:

کریم :- ایک چرواہا۔

کریم کی بیوی اور بچے

رامو :- کریم کا دوست اور سپاہی۔

پہلا منظر

(کریم کا جھونپڑا، شام کا وقت ہے۔ کریم خوش خوش اپنے جھونپڑے میں داخل ہوتا ہے۔ اپنا کمبل کندھے پر سے اُتار کر چارپائی پر رکھ دیتا ہے)

کریم :- (بیوی کو آواز دیتا ہے) ارے سُنتی ہو ! شرفو کی ماں، آج تو ہماری قسمت جاگ گئی۔

بیوی :- کیا ہوا۔ کیا وہ سفید بکری مل گئی ؟

کریم :- وہ تو کالے بھیڑیے کے پیٹ میں پہنچ گئی ہوگی۔۔۔۔ اب اُسے بھول جاؤ۔

بیوی :- تو پھر کالی بکری نے دو بچّے دیے ہوں گے۔

کریم :- نہیں، شرفو کی ماں۔ آج ہماری قسمت سچ مچ ہی جاگ گئی اور غریبی اس گھر سے بھاگ گئی۔ آج ایسا ہوا کہ میری ملاقات بادشاہ سلامت سے ہوگئی اور انھوں نے مجھے دو گاؤں انعام میں دے دیے۔

بیوی :- اُف اوہ ! میں نے کتنی بار کہا ہے کہ تم دوپہر کو مت سویا کرو، تم کو ایسے ہی اُلٹے سیدھے خواب دکھائی دیں گے اور بھیڑیے ساری بکریاں کھا جائیں گے۔

کریم :- ارے نیک بخت، میں خواب کی باتیں نہیں کر رہا ہوں۔ تمھاری جان کی قسم میں آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہا ہوں۔ دیکھو اس میں کیا لکھا ہے (کرتے کی جیب سے ایک پیڑ کا ہرا پتّہ نکالتا ہے)

بیوی :- (حیرت سے پتّے کو دیکھتی ہے اور اُلٹتی ہے پلٹتی ہے) اس میں تو کچھ لکیریں سی بنی ہوئی ہیں۔

کریم :- ہاں یہ ہماری قسمت کی لکیریں ہیں۔

بیوی :- کیا لکھا ہے اِس میں ؟

کریم :- ہوا یہ کہ آج میں جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا۔ بادشاہ سلامت ایک ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے دُور نکل گئے۔ پیاس کے مارے اُن کا گلا خشک ہو گیا تھا۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو میرے پاس آئے اور بولے:

" میاں چرواہے مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ جلدی سے پانی لاؤ، ورنہ میری جان نکل جائے گی۔"

بیوی :- پھر تم نے اُن کو پانی لاکر دیا۔

کریم :- جنگل میں پانی کہاں سے لاتا، میں نے اپنا کمبل بچھا دیا، بادشاہ سلامت اُس پر بیٹھ گئے۔ میں نے لوٹے میں ایک بکری کا دودھ نکالا اور بادشاہ سلامت کو پیش کر دیا۔ وہ میرے اس پُرانے کمبل پر لیٹ گئے۔

بیوی :- اچھا پھر کیا ہوا ؟

کریم :- اتنی دیر میں بادشاہ کے سپاہی تلاش کرتے ہوئے وہاں آنکلے۔ بادشاہ سلامت نے میرا نام پوچھا اور کہا کہ میاں کریم تم بہت اچھے آدمی ہو، تم نے میری جان بچالی ورنہ

ہم تو پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر مر چکے ہوتے۔

بیوی :۔ پھر وہ چلے گئے؟

کریم :۔ نہیں۔ بادشاہ سلامت نے مجھ سے کہا: "بولو تم کیا انعام مانگتے ہو"؟

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "حضور، مجھے تو صرف اتنی زمین دے دیجیے کہ اپنی بکریاں چرا سکوں"۔

بادشاہ سلامت نے کاغذ اور قلم دوات مانگی۔ لیکن جنگل میں قلم دوات کہاں؟ ایک سپاہی نے ایک پیڑ کا پتّہ لاکر دیا، بادشاہ نے اس پر تِنکے سے اپنا نام لکھا اور مجھے دے کر کہا: "یہ ہماری نشانی ہے۔ اسے لے کر ہمارے محل میں آنا۔ ہم تم کو دو گاؤں انعام میں دیں گے"۔

بیوی :۔ (خوش ہو کر) میں تو سمجھی تھی کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔ لیکن...... کیا ہمیں سچ مچ دو گاؤں انعام میں مل جائیں گے؟

کریم :۔ کیوں نہیں مل جائیں گے؟ بادشاہ جو کچھ کہتے ہیں اُس کو پورا کرتے ہیں۔ اب ہم جلد ہی دو گاؤں کے مالک بن جائیں گے۔

بیوی :۔ اچھا اب منھ ہاتھ دھو لو، آج میں نے کھیر پکائی ہے۔

کریم :۔ تب تو میں آج خوب پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔

(وہ پتے کو کمبل پر رکھ دیتا ہے اور ہاتھ منھ دھونے لگتا ہے۔ اسی درمیان ایک بکری آجاتی ہے اور ہرے پتّے کو کھا جاتی ہے۔ کریم اسے پتّہ کھاتے ہوئے دیکھ لیتا ہے۔ اور چیختا ہے)

کم بخت بکری دوگاؤں کھا گئی۔! ہائے میرے دوگاؤں۔۔۔ ارے میں لٹ گیا۔ میں ساری بکریوں کو مار ڈالوں گا۔ (وہ دھاڑیں مار کر رونے لگتا ہے۔ اس کی بیوی بچے اور پڑوسی شور سن کر اکٹھا ہو جاتے ہیں۔)

دوسرا منظر

کریم کا جھونپڑا۔ کریم سر پکڑے بیٹھا ہے۔ اس کی بیوی اور بچے بھی اس کے پاس بیٹھے ہیں۔ کریم ٹھنڈی سانس لیتا ہے اور بار بار یہی رٹ لگاتا ہے!

" ہائے میں لٹ گیا۔ بکری دو گاؤں کھا گئی!"

(کریم کا دوست رامو آتا ہے)

رامو:۔ ارے کریم بھیّا تم ناحک (ناحق) پریشان ہو رہے ہو۔ ہم

تم دونوں راجدھانی چلیں گے اور بادشاہ سلامت سے مِل کر ساری بات بتادیں گے۔

کریم :۔ مگر ہمیں بادشاہ تک کون جانے دے گا، اور پھر بادشاہ ہمیں کیسے پہچانے گا اس کی نشانی تو بکری کھا گئی۔ ہائے میرے ڈِٹو گاؤں ! (وہ پھر رونے لگتا ہے۔)

رامو :۔ بھیّا میری مانو تو کل ہی راجدھانی چلو... میرا دِل کہتا ہے کام ہو جائے گا۔

کریم :۔ تم کہتے ہو تو چلا چلوں گا... مگر بگڑا کام مُشکل سے بنتا ہے۔

بیوی :۔ رامو بھیّا ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ چلے جاؤ... بادشاہ سلامت سے سارا حال کہہ دینا۔

کریم :۔ تم لوگ کہتے ہو تو چلا چلوں گا لیکن اتنے بڑے شہر میں میری کون سُنے گا ؟ اور بادشاہ سلامت تک ہم کیسے پہنچیں گے ؟

رامو :۔ ارے تم نے مثل نہیں سنی کہ اُمید پر دنیا جیتی ہے۔ ہمّت سے کام لو اور تیّار ہو جاؤ۔

کریم :۔ تو شرفو کی ماں۔ ستّو باندھ دینا راستہ کے لیے۔

رامو :۔ ہاں، سویرے اندھیرے ہی چل دیں گے۔

تیسرا منظر

شہر کا منظر۔ بازار کی بھیڑ بھاڑ۔ کریم اور رامو دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے کندھوں پر پوٹلیاں لٹکائے دکھائی پڑتے ہیں۔ وہ آنکھیں پھاڑے اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں۔

رامو :۔ (ایک اُجلے پوش آدمی کو دیکھ کر) ارے او بھیّا نواب صاحب!

آدمی :۔ (ٹھٹھک کر) کیوں، کیا بات ہے؟

رامو :۔ ہم پردیسی ہیں، مُعیبت کے مارے ہیں۔ ایک عرج (عرض) ہے۔

آدمی :۔ (جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سکّہ نکالتا ہے اور رامو کی طرف بڑھا دیتا ہے)

رامو :۔ نہیں صاحب۔ ہم بھکاری نہیں ہیں، مُعیبت کے مارے ہیں۔

آدمی :۔ تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟

کریم :۔ بھائی ہم بادشاہ سلامت سے ملنا چاہتے ہیں۔

آدمی :۔ کیوں ملنا چاہتے ہو بادشاہ سلامت سے؟

کریم :۔ ارے بھائی یہ لمبی کہانی ہے۔۔۔ بادشاہ سلامت نے مجھے

دو گاؤں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ایک بار جنگل میں پیاسے تھے میں نے اُن کو بکری کا دودھ پیش کیا تھا۔ اور۔۔۔ پھر۔"

آدمی :۔ اچھا۔۔۔ تو بڑی دِل چسپ کہانی ہے۔ تم کو ایک عرضی لکھنی پڑے گی اور سارا ماجرا اس میں بیان کرنا پڑے گا۔۔۔ بادشاہ سلامت پسند کریں گے تو تم کو بُلا لیں گے!

کریم :۔ بھائی ہم تو جاہل ہیں۔ آپ ہی ہماری مدد کیجیے!

آدمی :۔ اچھا تو آپ دونوں میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔ وہیں آپ کی پوری داستان سنوں گا اور عرضی بھی لکھ دوں گا۔

(تینوں چلے جاتے ہیں)

چوتھا منظر

کریم کا جھونپڑا۔ کریم کے بال بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ نیم پاگل سا دکھلائی دیتا ہے۔ کبھی کبھی اس کے منھ سے نکل جاتا ہے۔ "ہائے! بکری دو گاؤں کھا گئی۔" کریم کی بیوی اس کے پاس بیٹھی ہے۔ دونوں بچّے بھی بیٹھے ہیں۔ اتنے میں دو سپاہی گھوڑوں پر آتے ہیں اور کریم کے جھونپڑے کے دروازہ

پردہ آن دہ رک جاتے ہیں۔

ایک سپاہی :۔ کیا کریم میاں ولد رحیم کا یہی گھر ہے ؟

(کریم اور اس کی بیوی گھبرا کر کھڑے ہو جاتے ہیں)

کریم :۔ داروغہ جی آپ کہاں سے آئے ہیں، میرا ہی نام کریم ہے !

سپاہی :۔ بادشاہ سلامت نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ یہ خط آپ کے نام ہے (خط آگے بڑھاتا ہے۔ کریم خط کو لے لیتا ہے اور اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھتا ہے ؟

کریم :۔ اس میں کیا لکھا ہے ؟

سپاہی :۔ آپ دو گاؤں کے مالک ہو گئے ہیں۔

کریم :۔ (خوشی اور حیرت سے) کیا واقعی بادشاہ سلامت نے مجھے بُلایا ہے اور دو گاؤں بھی مجھے دیے ہیں۔

سپاہی :۔ جی ہاں، کریم میاں۔ آپ اور آپ کے بیوی بچے بھی شاہی مہمان ہوں گے۔

کریم کی بیوی :۔ مگر ہم راجدھانی تک جائیں گے کیسے ؟ راجدھانی تو یہاں سے بہت دُور ہے۔

سپاہی :۔ آپ لوگوں کے لیے رتھ اور گھوڑے ہیں۔

کریم :۔ ہمارا ایک دوست ہے رامو۔ کیا ہم اسے بھی ساتھ

لے جا سکتے ہیں؟

سپاہی :- آپ اپنے دوست کو ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ وہ بھی شاہی مہمان ہوں گے۔

کریم :- میں تو سمجھا تھا کہ بکری ہمیشہ کے لیے دو گاؤں کھا گئی ہے۔ لیکن بادشاہ سلامت نے مجھے یاد رکھا۔ ! میں ذرا بھیّا کو بھی بتا دوں۔ ہم سب تیاری کریں تو چلیں گے،

سپاہی :- ہم آپ کے خادم ہیں۔ آپ جو حکم دیں گے، وہ کریں گے۔!

(پردہ گرتا ہے)

عقل مند آدمی

کردار :- انور، داروغہ، اصطبل، سپاہی، وزیر اور مسخرہ وغیرہ۔

پہلا منظر

(شام کا وقت ہے۔ باغ کے ایک حصّہ میں انور ٹہل رہا ہے)

انور :- (اپنے آپ سے) یہاں کتنا سکون ہے شہر کے مقابلہ میں! کسی نے سچ کہا ہے، تنہائی میں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی۔!

(اسی وقت ایک طرف سے اصطبل کا داروغہ چند سپاہیوں کے ساتھ داخل ہوتا ہے، وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے، انور پر اس کی نظر پڑتی ہے)

داروغہ :- (انور سے) تم نے کوئی گھوڑا تو اِدھر سے جاتے ہوئے نہیں دیکھا؟ ہم لوگ اس کو صبح سے تلاش کر رہے ہیں اب شام ہونے کو آئی مگر اس کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔

انور :۔ کیا آپ اس مُشکی گھوڑے کو تلاش کر رہے ہیں جس کے نعل چاندی
کے ہیں اور لگام سونے کی ہے، قد تقریباً پندرہ بالشت اونچا
ہے اور دُم ساڑھے تین فٹ لمبی ہے۔

داروغہ :۔ ہاں، ہاں۔ وہی۔ بالکل یہی حُلیہ ہے۔ وہ شہزادے کا گھوڑا
ہے جلد بتاؤ وہ کہاں ہے؟ کدھر گیا ہے؟ تُم نے اس کو
کہاں اور کب دیکھا؟

انور :۔ (مسکراتے ہوئے) جناب میں نے ایسا کوئی بھی گھوڑا نہیں دیکھا،
اس لیے میں یہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ وہ کدھر گیا۔!

داروغہ :۔ (نرمی سے) میاں مذاق مت کرو، ہم لوگ صبح سے بہت
پریشان ہیں اگر گھوڑا نہ ملا تو ہماری خیر نہیں۔!

انور :۔ اجی مذاق کرنے والے پر لعنت، میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔
میں نے ایسا کوئی بھی گھوڑا نہیں دیکھا!

(اُسی وقت ایک سپاہی آتا ہے وہ بہت گھبرایا ہوا ہے۔ اِدھر
اُدھر دیکھتا ہے)

سپاہی :۔ کیا آپ لوگوں نے ایک کُتّا تو نہیں دیکھا، وہ شہزادی کا کُتّا
ہے۔ صبح سے غائب ہے۔ شہزادی نے رو رو کر سارا محل
سر پر اُٹھا لیا ہے۔ اگر یہ کُتّا نہ ملا تو میری جان کی خیر نہیں۔

انور :۔ کیا آپ اُس جھبرے کتّے کو تلاش کر رہے ہیں جس کے کان لمبے ہیں قد پست ہے، گھنی اور لمبی دُم ہے، دائیں پیر کے پنجے میں کچھ عیب ہے وہ تھوڑا سا لنگڑاتا بھی ہے ؟

سپاہی :۔ ہاں۔ ہاں ... وہی بالکل وہی ہے۔ میں تو اس کو دور ہی سے پہچان سکتا ہوں۔ وہ شہزادی کا کتّا جو ٹھہرا۔ بتاؤ وہ کہاں ہے ؟

انور :۔ (مسکراتے ہوئے) میں نے ایسا کوئی کتّا نہیں دیکھا، پھر بھلا میں یہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں ہے !

سپاہی :۔ ارے میاں تم مذاق کر رہے ہو۔ یہاں جان پر بنی ہوئی ہے۔ اگر وہ کتّا نہ ملا تو میری خیر نہیں۔

انور :۔ بھائی، میری آپ سے دوستی نہیں۔ آپ میرے رشتہ دار بھی نہیں۔ میں بھلا آپ سے کیوں مذاق کرنے لگا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے کوئی کتّا نہیں دیکھا۔ میں تو یہاں ہوا کھانے آیا ہوں !

داروغہ :۔ (غصّہ ہوکر) سپاہیو، پکڑ لو اس کو۔ ضرور اس نے گھوڑا اور کتّا چرایا ہے۔ لے چلو اِس کو بادشاہ کے سامنے، وہاں یہ سب قبول دے گا !

انور :۔ (گڑگڑاکر) حضور داروغہ جی۔۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں قسم کھاتا
ہوں۔ میں بے قصور ہوں میں نے کوئی گھوڑا نہیں دیکھا، میں
نے کوئی بھی کتا نہیں دیکھا۔ میں جھوٹ نہیں بولتا ___!

داروغہ :۔ سارے چور یہی کہتے ہیں۔
(سپاہی انور کو پکڑ لیتے ہیں)

دوسرا منظر

(بادشاہ کا دربار، وزیر اور امیر ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ بادشاہ
تخت پر بیٹھا ہے۔ داروغہ مع سپاہیوں کے آتا ہے۔ انور
کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ آنے والے کورنش
بجا لاتے ہیں)

داروغہ :۔ حضورِ انور، گھوڑے اور کتے کا چور حاضر ہے۔ دونوں
جانوروں کا حلیہ تو بیان کرتا ہے لیکن یہ نہیں بتاتا کہ وہ
کہاں ہیں؟

بادشاہ :۔ (غصّہ ہوکر) اچھا، تو اس سے پہلے کہ میں چور سے سوالات
پوچھوں اس کو پچاس کوڑے لگائے جائیں۔۔۔

انور :۔ جہاں پناہ۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ میں چور نہیں ہوں، آپ میرے چال چلن کی تحقیق فرما سکتے ہیں۔

مسخرہ :۔ واہ میاں۔ یہ تم نے ایک ہی کہی۔ ہر آدمی شریف ہے۔ جب تک چور پکڑا نہیں جاتا چور نہیں کہلاتا، یہی حال ڈاکوؤں کا ہے اگر تم چور نہیں ہو تو واویلا مت کرو اور تقدیر پر بھروسہ رکھو، خدا جو کرتا ہے وہ بہتر ہی ہوتا ہے۔!

انور :۔ کسی نے سچ کہا ہے، جب کوئی بادشاہ صرف سن کر سزا کا حکم دیتا ہے تو بے قصوروں پر ظلم ہوتا ہے!

بادشاہ :۔ (غصہ ہوکر) اس چور کے پچاس دُرّے فوراً لگاؤ تاکہ اس کی زبان بند ہو جائے۔!

انور :۔ (مسخرہ سے مخاطب ہوکر) نصیحت کرنا آسان ہے لیکن پچاس کوڑے کھانا بہت تکلیف دہ ہے۔

(جلّاد کوڑے لگاتا ہے۔ انور تکلیف سے چلّاتا ہے)

(ایک سپاہی حاضر ہوتا ہے۔ کورنش بجالاتا ہے)

سپاہی :۔ حضور انور مبارک ہو۔ شہزادے کا گھوڑا اور شہزادی کا کتّا دونوں خیریت سے مل گئے۔

بادشاہ :۔ بہت خوب۔ کہاں ملے؟

سپاہی :۔ حضورِ انور ایسا لگتا ہے کہ شہزادی صاحبہ کا کتا شاہی باغ کی نالی سے نکل کر شہر کے کتوں کے ساتھ کھیلتا ہوا دُور نکل گیا تھا اور شہزادہ کا گھوڑا شاہی اصطبل کا راب کھاتے کھاتے مُنھ کا مزہ بدلنے کے لیے ندی کے کنارے سوکھی گھاس چرنے چلا گیا تھا۔

(سپاہی کورنش بجا کر واپس چلا جاتا ہے)

بادشاہ :۔ اس بے قصور چور کو حاضر کیا جائے۔

(سپاہی انور کو لاتے ہیں وہ تکلیف کے مارے کراہ رہا ہے)

بادشاہ :۔ تُم کو خوش ہونا چاہیے کہ شاہی گھوڑا اور کتّا مل گیا ورنہ تم کو اور سزا دی جاتی۔

انور :۔ (کراہتے ہوئے) حضور بعض گھوڑے اور کتّے انسانوں سے زیادہ خوش قسمت ہوتے ہیں کیوں کہ بادشاہ اُن پر مہربان ہوتا ہے۔

بادشاہ :۔ اب تم سچ سچ بیان کرو کہ ماجرا کیا ہے ؟ تم برابر یہی کہتے رہے کہ تُم نے نہ گھوڑے کو دیکھا اور نہ ہی کتّے کو پھر بغیر دیکھے ہوئے تُم نے اُن کا حلیہ ہو بہو کیسے بیان کیا ؟

انور : یہ بات تو میں اب بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس وقت تک

ان دونوں خوش قسمت جانوروں کو نہیں دیکھا۔اس سچ
بولنے پر میں پچاس کوڑے کھا چکا ہوں۔!

بادشاہ:۔ پھر تم نے ان کا حلیہ کیسے جانا؟

انور:۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں ہر چیز کو بہت غور سے دیکھتا ہوں
آج میں شہر کی بھیڑ بھاڑ سے نکل کر ایک باغ میں ٹہلنے چلا گیا۔
میں نے زمین پر ایک کُتّے کے پنجہ کے نشانات دیکھے۔ اگلے پنجہ
کے نشان ہلکے تھے، جیسے اِن پر کسی نے ہلکے ہاتھ سے جھاڑو
پھیری ہو۔

میں نے غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس کُتّے کا قد
چھوٹا ہے، جب وہ گردن نیچی کرکے چلتا ہے تو اس کے کان
زمین کو چھوتے ہیں۔ کہیں کہیں بیچ میں گھسٹن سی تھی اور موٹی
سی لکیر بن گئی تھی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ کُتّا موٹی اور لمبی
دُم والا ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ دائیں پنجے کا نشان
بائیں پنجے کے نشان سے کم گہرا تھا۔پس یہ نتیجہ نکالا کہ دائیں
پنجہ میں کچھ عیب ہے اور وہ تھوڑا سا لنگڑاتا بھی ہے۔

بادشاہ:۔ بہت خوب، تمھارے مشاہدہ کا جواب نہیں۔

انور:۔ بندہ نوازی کا شکریہ حضورِ انور۔۔۔ (کراہتا ہے)

بادشاہ :- پھر کیا ہوا۔

انور :- میں جب آگے ذرا بڑھا تو میں نے گھوڑے کے نعل کے نشانات دیکھے یہ نشانات نہ تو زیادہ بڑے تھے اور نا ہی بہت چھوٹے تھے۔ یہ اچھی نسل کے گھوڑے کے نشانات تھے۔ ان کے فاصلہ کو دیکھ کر میں نے اندازہ کیا کہ یہ بہترین چال اور رفتار والا گھوڑا ہو سکتا ہے۔ قریب ہی پتھریلی زمین پر اس گھوڑے کے نعل کا چمکدار نشان تھا۔ پس میں نے اندازہ کیا کہ اس کے نعل چاندی کے ہیں اور ایسا گھوڑا صرف شاہی اصطبل کی زینت ہو سکتا ہے۔

بادشاہ :- واہ! کیا اچھی نظر ہے تمہاری!

انور :- مگر حضور انور اچھی نظر اور اچھی قسمت دونوں ایک ساتھ نہیں ملتی ــــ!

بادشاہ :- پھر کیا ہوا؟

انور :- حضور انور جب یہ خادم ذرا اور آگے گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ درخت کی وہ شاخیں جو تقریباً پانچ فٹ اونچی تھیں گھوڑے نے اُن پر منھ مارا تھا، اس سے اونچی شاخیں محفوظ تھیں پس میں نے نتیجہ نکالا کہ اس گھوڑے کی اونچائی پانچ فٹ ہو سکتی ہے۔

ایک درخت کے تنے پر گھوڑے کے بال چپکے ہوئے تھے۔
اس کو دیکھ کر میں نے اس کے رنگ کا اندازہ کیا، اور ایک چٹان
پر سنہرا نشان دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی لگام سونے
کی ہے۔ میری گستاخی معاف ہو، یہ فضول خرچی یا شوق صرف
بادشاہوں کو ہی زیب دیتا ہے کہ وہ جانوروں کو سونا پہنا
سکے، عام انسان کو یہ توفیق کہاں ... پس میں نے نتیجہ نکالا کہ
یہ شاہی اصطبل کا خوش قسمت گھوڑا ہو سکتا ہے۔

بادشاہ :- (حیرت سے) خدا کی قسم ما بدولت کی نظر سے اب تک تم سے
زیادہ عقل مند انسان نہیں گزرا۔ ہمارے دارو غہ اور کوتوال
کو تمہاری شاگردی کرنی چاہیے۔

وزیر :- حضور انور۔ آپ بجا فرماتے ہیں۔ مگر ایک بات عرض کروں گا۔
... ایسے عقل مند لوگوں پر ٹیکس لگنا چاہیے۔ اس مد سے خزانہ
کو معقول آمدنی ہو سکتی ہے۔ اس عقل مند آدمی سے بھی ٹیکس
وصول کرنا چاہیے۔

بادشاہ :- ما بدولت آپ کی اس تجویز سے متفق ہیں، فوراً عقل مندوں
کی فہرست تیار کی جائے اور مردم شماری کی جائے اور
حساب لگا کر پیش کیا جائے کہ عقل مندوں پر ٹیکس لگانے

سے خزانہ کو سالانہ کتنی آمدنی ہو سکتی ہے !

مسخرہ :۔ حضور انور، یہ بتانا کون سی بڑی بات ہے۔ سارے ملک میں صرف ایک ہی سب سے بڑا عقل مند ہے اور وہ ہے اس ملک کا بادشاہ۔ یعنی حضور انور۔ کیا بادشاہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو یہ حق پہنچتا ہے ۔۔۔ اور پھر حضور انور، ٹیکس دے کر ہر احمق اپنے کو عقل مندوں کی فہرست میں دیکھنا پسند کرے گا۔ یقیناً حضور اس گستاخی کو پسند نہیں فرمائیں گے۔

بادشاہ :۔ تم درست کہتے ہو میاں مسخرے۔ (وزیر سے) وزیر اعظم مابدولت نے فیصلہ بدل دیا ہے۔ عقل مند شماری کا فیصلہ منسوخ کیا جائے۔

وزیر :۔ جو حکم عالی۔۔

بادشاہ :۔ (انور سے مخاطب ہو کر) ۔۔اس بے قصور عقل مند انسان کو پانچ ہزار اشرفیاں انعام دی جائیں۔ میرا خیال ہے پچاس کوڑوں کا یہ مناسب معاوضہ ہو گا۔

مسخرہ :۔ یقیناً درست ہے حضور انور۔ بادشاہوں کا انصاف ہمیشہ درست ہوتا ہے۔

(انور سے مخاطب ہو کر) اب تم سوچ رہے ہو گے کہ کاش

میرے تھو کوڑے لگتے تو دس ہزار اشرفیاں ملتیں۔ مگر تمہارا
سوچنا فضول ہے۔ ہر انسان کو وہی ملتا ہے جس کا وہ مستحق
ہوتا ہے۔

انور:۔ (زمین چومتا ہے) حضور کا اقبال بلند ہو۔ آپ کی حکومت
تا قیامت باقی رہے۔

بادشاہ:۔ اب جب بھی ما بدولت کی کوئی چیز کھوئے گی ہم تم کو یاد
کریں گے۔

مسخرہ:۔ میاں انور، اب تم اپنی عقل کو پہلے سے زیادہ تیز رکھنا
کیوں کر بادشاہوں کے سامنے زبان کی تیزی
نہیں بلکہ عقل کی تیزی کام دیتی ہے۔ تم یقیناً خوش
قسمت ہو کہ جب بادشاہ سلامت کی کوئی چیز کھوئے گی
تم کو یاد فرمائیں گے۔!

(دربار برخواست ہوتا ہے۔ انور خوشی خوشی اشرفیوں کی
تھیلی لے کر باہر نکلتا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے مسخرہ بھی
آتا ہے)

مسخرہ:۔ (دھیمے لہجہ میں) میاں انور۔ آج تم اپنی قسمت سے بچ گئے
آیندہ خیال رکھنا۔ بے سوچے سمجھے زبان مت کھولنا۔

اشرفیاں لے کر آج ہی اس شہر سے کہیں دُور نکل جانا شاید
تم کو پتہ نہیں کہ بادشاہ کے اصطبل میں کئی ہزار گھوڑے،
اونٹ اور ہاتھی ہیں۔ چڑیا خانے میں کبوتر طوطے اور
ہزاروں پرندے ہیں۔ محل میں سیکڑوں غلام اور باندیاں
ہیں۔۔۔ ہر روز کچھ نہ کچھ کھوتا ہی رہتا ہے تم پکڑے جاؤ گے
اور مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔۔۔۔!

انور:۔ بھائی۔۔ تمھاری نصیحت کا بہت بہت شکریہ۔ میں آج ہی
یہاں سے بہت دُور چلا جاؤں گا۔۔!

(دونوں جاتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

کھوئی ہوئی غزل

(صبح کا وقت۔ کمرہ میں چارپائی پر لیٹے ہوئے بے بدل جمائیاں لے رہے ہیں اور کچھ گنگناتے جاتے ہیں۔ بیک گراؤنڈ میں بچوں کے شور کی اور بکری کے ممنانے کی آوازیں۔ بے بدل اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور گنگناتے ہیں :۔)

ع داغِ دل داغِ جگر داغِ تمنا لے کر۔ آں۔ آں۔ آں

بیوی :۔ باورچی خانہ کے اندر سے چلاتی ہیں) ارے منّے کے ابا کیا آج چارپائی پر ہی تمام دن پڑے رہنے کا ارادہ ہے بازار سے سبزی ترکاری بھی لانی ہے۔ کب کا سویرا ہو چکا ہے۔!

بے بدل :۔ (چونک کر) لاحول ولاقوۃ... سارے شعر کا ستیاناس کر دیا۔ کیسا دِل کش خیال آیا تھا۔

(چلا کر) بیگم اُٹھ بیٹھا ہوں۔ ذرا دَم تو خنجر تلے۔

بیگم :۔ (بیگم کمرے میں آتی ہیں) تمھاری زبان پر تو ہمیشہ خنجر اور تلوار

ہی رہتے ہیں۔ کبھی اللہ کا نام بھی لیا کرو۔ توبہ! توبہ۔!

بے بدل :۔ اری نیک بخت، تم میرے ساتھ بیس سال سے رہ رہی ہو اور شاعری کی زبان نہیں جانتی۔ ارے یہ خنجر، تیر تلوار، کمان استعارے ہیں تمھاری اداؤں کے لیے۔ یعنی تمھاری تعریف میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہوں۔ تم اپنی تعریف سے بھی ناخوش ہوتی ہو۔

بیوی :۔ بھاڑ میں جائے تمھاری تعریف، مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتی تمھاری تعریف اور تمھاری شاعری۔ اب جلدی سے یہ بستر چھوڑو اور کام کرو۔

بے بدل :۔ اچھا بھئی ناخوش مت ہو صبح صبح۔ لو بندہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ے اٹھیے بھی اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

(دروازے پر قدرت میاں کی آواز آتی ہے)

قدرت میاں :۔ بے بدل صاحب۔ قبلہ بے بدل صاحب!

(چاروں بچّے دروازے پر دوڑ کر جاتے ہیں۔)

قدرت چچا آیئے آیئے، ابّو سو کر اٹھ گئے ہیں۔ قدرت میاں اندر آتے ہیں اور آداب کرتے ہیں۔

بے بدل صاحب :۔ آداب۔ قبلہ خوب آئے۔ میں نے رات وہ غزل پوری

کر لی۔

قدرت میاں: تو کیا تمام رات غزل ہی کہتے رہے؟

بے بدل :۔ فکرِ شعر میں نیند کہاں آتی ہے۔ آدھی رات تک ٹہلتا رہا۔ اور..

قدرت میاں: (بات کاٹ کر) یعنی آپ اسی مشاعرہ والی غزل کا ذکر کر رہے ہیں یا۔ واللہ آپ نے تو بے بدل صاحب کمال کر دیا۔ یعنی ایک رات میں ایک غزل، ہفتہ میں سات اور سال بھر میں تین سو ساٹھ یعنی اگر آپ نے اپنا دیوان تیار کیا تو وہ دیوانِ اعظم ہوگا۔

بے بدل : یہ تو آپ کی ذرّہ نوازی ہے قدرت صاحب۔ مگر سچ پوچھیے تو یہ سارا کمال ریاض کا ہے۔

قدرت میاں: میں نے سنا ہے کہ صبح صبح ذہن موسم بہار کے آسمان کی طرح بالکل صاف ہوتا ہے اور اشعار کی خوب آمد ہوتی ہے۔ اور....

بے بدل : (بات کاٹ کر) اماں اشعار کی آمد کا کوئی وقت متعین نہیں ہوا کرتا۔ شعر کہنے کے لیے فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذہن پر زور دینا پڑتا ہے، خونِ جگر جلانا پڑتا ہے۔ کوئی نل کا پانی نہیں ہے کہ ٹونٹی کھولی اور اشنان کر لیا۔ سمجھے۔

ے خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت

قدرت میاں : واہ ! واہ - کیا عمدہ شعر ہے

بے بدل : رات بھر بڑی کوشش کی - آنگن میں ٹہلتا رہا، سگرٹ پیتا رہا، فکر کے گھوڑے دوڑاتا رہا، تب کہیں جا کر صبح کے وقت غزل مکمل کر سکا - آپ سنیں گے تو تڑپ اٹھیں گے - کیا مرصع غزل ہے !

قدرت میاں : تو قبلہ اب زیادہ نہ تڑپائیے سنا بھی ڈالیے ... لیکن میں ناشتہ کر کے نہیں آیا ہوں - آپ ناشتہ بھی منگوالیں -

بے بدل : ضرور، ضرور - ارے گلشن، چمن، صنوبر، ترنم، قدرت چاچا کے لیے ناشتہ لاؤ - جلدی سے - جب تک میں آپ کو وہ غزل سناتا ہوں ...

(تکیے کے نیچے سے کاغذات نکالتے ہیں - اُلٹتے پلٹتے ہیں - تکیہ پھر چادر اور پھر پورا بستر اٹھا کر جھاڑتے ہیں) ہائیں وہ غزل کیا ہوئی - رات میں نے ایک کاغذ پر لکھ لی تھی اور سرہانے رکھ لی تھی ... مگر وہ یہاں نہیں ہے -

قدرت میاں : میرا خیال ہے وہ کسی جن یا پری کو پسند آ گئی ہو گی -

چلیے محنت وصول ہو گئی۔ یعنی

ے پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

بے بدل : ارے بھئی یہاں جان پر بن رہی ہے اور آپ ہیں کہ جلا رہے ہیں بندے کو۔ اب اگر غزل نہ ملی تو میں آج کے مشاعرے میں کیا پڑھوں گا۔ میرے پاس تو کوئی دوسری غزل بھی نہیں ہے۔

(وہ چارپائی اٹھاتے ہیں، بستر جھاڑتے ہیں۔ پھر بچوں کو پکارتے ہیں۔)

گلشن، صنوبر، چمن، ترنم سب لوگ یہاں آؤ۔

(بچے دوڑتے ہوئے آتے ہیں)

تم لوگوں نے یہاں سے کوئی کاغذ اُٹھایا ہے۔ جو سچ سچ بتا دے گا میں اس کو ٹافی دوں گا۔۔۔ بتاؤ!

(سارے بچے ایک آواز میں) ابّو ہم نے کوئی کاغذ نہیں اُٹھایا۔ ابو ہمیں ٹافی دیجیے۔

بے بدل : (غصّے سے) بھاگ جاؤ یہاں سے ورنہ ہڈیاں توڑ دوں گا۔

بچے سہم کر کمرے سے بھاگ جاتے ہیں۔

(بیوی اندر آتی ہیں) صبح صبح کیا آپ نے سارا گھر سر پر

اُٹھا رکھا ہے۔

بے بدل : (سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں) اُف میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری غزل کہاں گئی!

بیوی : موئی غزل نہ ہوئی راشن کارڈ ہو گیا کہ راشن نہیں ملے گا۔ ارے تم تو پکے شاعر ہو چلتے پھرتے درجنوں غزلیں کہہ سکتے ہو۔

بے بدل : ارے بیگم اب تم کو کیسے بتاؤں کہ ہر غزل کا انداز جُدا جُدا ہوتا ہے اور جو غزل میں نے کل رات کہی تھی وہ دوبارہ خیال کے پردے پر جلوہ نما نہیں ہو سکتی۔

قدرت میاں : بے بدل صاحب۔ آپ مرزا غالب کی پیروی کیوں نہیں کرتے ساری کوفت سے محفوظ رہیں گے۔

بے بدل : (اشتیاق سے) وہ کیا؟

قدرت میاں : رات کے وقت جب سوتے سوتے کوئی شعر موزوں ہوا، کمر بند میں ایک گرہ دے لیجیے۔ صبح کے وقت جب آنکھ کھلے گرہیں کھولتے جائیے اور اشعار لکھتے جائیے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔۔۔

بے بدل : واہ، یعنی کمر بند نہ ہوا ٹیپ ریکارڈ ہو گیا۔ غالب کی جدّت طرازی کا جواب نہیں۔ مگر حضرت اس وقت تو کوئی اور ہی

ترکیب نکالیے میری تو جان پر بن رہی ہے۔!

(بیوی آتی ہیں۔ ٹرے میں ناشتہ لے کر) قدرت بھائی آپ ناشتہ کیجیے۔

قدرت میاں : شکریہ بھابھی جان۔ آپ کہتی ہیں تو کیے لیتا ہوں۔ بے بدل بھائی کی پریشانی دیکھ کر میرا دِل ناشتہ کرنے کو نہیں کرتا۔

(وہ چائے بنا کر پینے لگتا ہے)

بے بدل صاحب ہمّت نہ ہاریے، ذہن پر زور دیجیے، رات کی کہی ہوئی غزل یاد آجائے گی!

بے بدل : مگر بھائی میری یادداشت بہت کمزور ہے۔ واللہ اگر آپ مجھ سے یہ دریافت کریں کہ رات میں نے کیا کھایا تھا تو مجھے یہ بھی یاد نہیں ہے!

قدرت میاں : تو پھر غزل ہی تلاش کیجیے۔ جائیے آنگن میں جا کر دیکھیے۔ ... باورچی خانہ اور باتھ روم بھی تو آپ نے ابھی نہیں دیکھا ظاہر ہے گھر ہی میں ہوگی۔ ضرور مل جائے گی۔

(بے بدل تھوڑی دور جاتے ہیں پھر واپس آجاتے ہیں)

قدرت میاں : ارے آپ جاتے جاتے رُک کیوں گئے؟

بے بدل : بھئی میرا دِل بہت کمزور ہے۔ اگر وہاں بھی نہ ملی تو کیا ہوگا!

قدرت میاں :- ہوگا کیا۔ تسلّی ہو جائے گی۔ پریشانی ختم ہو جائے گی۔
یقین ہو جائے گا کہ واقعی غزل کھو گئی، چلیے قصّہ ختم۔

بے بدل :- نہیں، نہیں... مجھ سے یہ برداشت نہ ہو سکے گا۔ ابھی
ایک ہلکی سی اُمید تو ہے۔ جب اُمید مر جائے گی تو تلاش
بھی ختم ہو جائے گی اور... اور میرا دَم بھی نکل جائے گا۔
ہائے میری غزل (وہ دھم سے چارپائی پر بیٹھ جاتے
ہیں اپنا سر پکڑ کر)
(بکری کے ممیانے کی آواز... میں۔ میں۔ میں!)
(ارے کوئی بکری کو دانہ تو رکھ دو۔ کب سے چلّا رہی
ہے) بیوی کی آواز آتی ہے۔

بے بدل :- ارے تم کو بکری کی فکر ہے مجھ کم بخت کا کوئی خیال نہیں۔
کب سے پریشان ہوں۔!

بیوی :- مجھے ناشتہ بنانے دیں گے یا میں بھی آپ کے ساتھ باؤلی
ہو کر چلّانے لگوں۔ آپ کے ساتھ تو روزانہ یہی قصّہ
رہتا ہے، کبھی قلم کھوتا ہے کبھی غزل اور کبھی بیاض۔
اور آپ خود تو فکرِ شعر میں کھوئے ہی رہتے ہیں۔!
(میں۔ میں۔ میں۔ بکری کے زور زور سے ممیانے کی آواز)

بے بدل :- ارے میاں اس کم بخت بکری کو قصائی کو دے دو پہلا پہلا کرناک میں دم کیے جا رہی ہے۔ اُف میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اب کیا کروں!

قدرت میاں :- بے بدل صاحب، ذرا ہمت سے کام لیجیے۔ جان ہے تو جہان ہے۔ آپ ہیں تو ایک کیا ایک ہزار غزلیں ہو جائیں گی۔

(ایک بچّہ دوڑتا ہوا آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا پرزہ ہے)

بچّہ :- ابّو۔ ابّو۔ یہ تو نہیں ہے آپ کی غزل؟

بے بدل :- (بے تابی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے وہ کاغذ جھپٹ لیتے ہیں) ایں۔ ہاں۔ ہاں۔ یہی ہے (مری ہوئی آواز میں) لیکن یہ تو آدھی غزل ہے۔ تم کو کہاں ملی۔؟

بچّہ :- ابّو اس کاغذ کو بکری چبا رہی تھی۔

بے بدل :- لعنت اس کم بخت بکری پر۔ میں آج ہی اس کو قصائی کو دے دوں گا۔

بیوی :- (کمرے میں آتی ہے) اے، ہے، تم تو اس بکری کے دشمن ہو گئے ہو۔ کیا بگاڑا ہے تمہارا اس بے زبان

نے۔!

بے بدل :۔ ارے اس کم بخت نے میری غزل چبا ڈالی۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرا کلیجہ چبا ڈالا ہو اور تم کہتی ہو بے زبان، یعنی معصوم، میں، میں، اس کے گلے پر چھری چلادوں گا۔! (ہائے میری غزل۔۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں ۔ چاروں بچے اُن کے ارد گرد کھڑے ہیں)۔

بیوی :۔ میں کب سے کہہ رہی ہوں کہ بکری بھوکی ہے اس کو دانہ رکھ دو مگر میری کسی نے نہیں سنی۔!

بے بدل :۔ تو پیٹ بھرنے کو میری غزل ہی رہ گئی تھی۔ یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا۔ اب اس گھر میں یا تو یہ بکری ہی رہے گی یا بے بدل رہیں گے۔ (وہ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور باہر جانے لگتے ہیں)

قدرت میاں :۔ (اُن کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں) ارے بے بدل صاحب آپ کہاں جارہے ہیں۔ آج آپ کو مشاعرہ میں غزل پڑھنی ہے۔

بے بدل :۔ (رک جاتے ہیں) مگر یہ تو آدھی غزل ہے!

قدرت میاں :۔ آپ منھ ہاتھ دھو لیجیے، ناشتہ کیجیے، اور قلم لے کر

بیٹھ جائیے۔ ابھی شام دور ہے، بقیہ آدھی غزل بھی کہہ ڈالیے دیکھیے آج کا مشاعرہ آپ کو سر کرنا ہے۔ اچھا تو میں چلتا ہوں۔ لیکن بے بدل صاحب۔ آپ ذرا بکری سے ہوشیار رہیے گا (ہنستے ہیں)۔

(بکری کے ممیانے کی آواز آتی ہے، میں؛ میں؛ میں؛)

(پردہ گرتا ہے)

احسان کا بدلہ

(جانوروں کا ڈرامہ)

ڈرامہ میں حصّہ لینے والے جانور!

لومڑی

خرگوش

اُلو

میاں ککڑوں کوں۔ اور

بی بینڈکی

(پردہ اٹھتا ہے۔۔۔ اسٹیج پر ایک بڑا سا پنجرہ رکھا ہوا ہے
اُس کے اندر لومڑی بند ہے۔ پاس ہی درخت کی شاخ پر
اُلو بیٹھا ہے۔۔۔ دیوار پر میاں ککڑوکوں بیٹھے ہیں۔ صبح ہونے
کو ہے۔! سورج کی کرنیں اسٹیج پر دکھلائی دیتی ہیں۔)!

لومڑی:۔ (نہایت خوشامد کے لہجے میں) بھائی اُلو خدا کے واسطے

میری مدد کرو... مجھے اس پنجرے کے اندر سے نکالو۔ میں
رات بھر کی بھوکی پیاسی ہوں۔ مجھے ایک چالاک آدمی نے
اس پنجرے میں بند کر دیا ہے.... میں وعدہ کرتی ہوں کہ
اب کسی جانور کو نہیں ستاؤں گی۔ میری مدد کرو...!

اُلّو :۔ (خاموش رہتا ہے)

لومڑی :۔ بھائی ذرا سوچو تو... اگر تم کو اس پنجرے میں بند کر دیا
جائے تو تمھارا کیا حال ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ تم مجھے اس
مصیبت سے نکال سکتے ہو۔ تم بہت عقل مند ہو... دنیا
کے سارے اُلّو بہت عقل مند ہوتے ہیں....

اُلّو :۔ اونگھتا رہتا ہے.. کوئی جواب نہیں دیتا۔)

لومڑی :۔ بھائی اب زیادہ دیر مت کرو۔ صبح ہونے کو ہے۔ مجھے
بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے... ہاں... تم نے بھی
تو اب تک ناشتہ نہیں کیا ہوگا۔ میں تمھارے ناشتے کے لیے
اک موٹا سا چوہا پکڑ دوں گی۔ مجھے اس پنجرے سے نکال
دو....

اُلّو :۔ (آواز نکالتا ہے) گھوگھو۔ گھک گھگ!...ک۔!
میاں ککڑوں کوں (چونک پڑتا ہے) یہ کس نے مجھے جگا دیا؟

لومڑی :۔ بھائی ککڑوں کوں!

میاں ککڑوں کوں :۔ اچھا تو یہ تم تھیں! ۔ تم نے مجھے کیوں جگا دیا؟
سب کو تو میں جگاتا ہوں۔۔۔ یہ میرا کام ہے تمہارا نہیں۔
(دو مرتبہ زور سے بانگ دیتا ہے۔ ککڑوں کوں۔ ککڑوں کوں!!)

لومڑی :۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تم جاگ گئے۔۔۔ اب ذرا میری مدد کرو۔
بھوک اور پیاس کے مارے میرا دَم نکلے جا رہا ہے۔ مجھے اس
پنجرے کے اندر سے نکال لو۔۔۔ میں توبہ کر چکی ہوں اب کسی
مُرغ یا چوزے کو نہیں کھاؤں گی۔!

میاں ککڑوں کوں :۔ (خوشی کے لہجہ میں) ارے تم پنجرے کے اندر بند ہو۔
یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے)۔!
ککڑوں کوں! ککڑوں کوں! ۔۔۔ ابھی تک کچھ بچّے بستروں
سے نہیں اُٹھ پائے۔ اسکول کا وقت ہو رہا ہے!
(خرگوش داخل ہوتا ہے)

خرگوش :۔ میاں ککڑوں کوں۔ آداب! صبح بخیر!

میاں ککڑوں کوں :۔ خوش رہو! صبح کی ورزش کرنے نکلے ہو!

خرگوش :۔ ہاں۔ بس دو چار میل کی دوڑ لگانے نکلا ہوں (چاروں طرف
دوڑ لگاتا ہے، اسی دوران اس کی نظر لومڑی پر پڑ جاتی ہے)

خرگوش :۔ اوہ، معاف کرنا خالہ جان۔ میں نے بڑی گستاخی کی (وہ بھاگنا ہی چاہتا ہے کہ لومڑی آواز دیتی ہے)

لومڑی :۔ میاں خرگوش، مجھ سے بالکل مت ڈرو! دیکھو میں پنجرے کے اندر بند ہوں۔

خرگوش :۔ غور سے دیکھتا ہے اور اطمینان کی سانس لیتا ہے۔ اچھا تو یہ بات ہے۔ آپ اندر بند ہیں۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔

لومڑی :۔ بیٹا۔ میرے پاس آؤ۔ اب تو میں توبہ کر چکی ہوں۔ میں اب کبھی کسی خرگوش کو نہیں کھاؤں گی۔

خرگوش :۔ سچ؟

لومڑی :۔ ہاں۔ چاہے میں بھوک کے مارے تڑپ تڑپ کر مر ہی کیوں نہ جاؤں!

خرگوش :۔ یعنی آپ نے توبہ کر لی... یعنی۔ اس سے زیادہ حیرت ناک بات میں نے آج تک نہیں سنی!

لومڑی :۔ مگر میری بات کا یقین کرو۔ اب دنیا بہت بدل چکی ہے۔

خرگوش :۔ مگر خالہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

لومڑی :۔ یہ میں باہر نکل کر بتاؤں گی۔ تم اس پنجرے کا دروازہ جو باہر سے بند ہے کھول دو۔!

خرگوش :۔ آپ باہر آجائیں، اور میں آپ کے پیٹ کے اندر پہنچ جاؤں۔

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں یہ حماقت کبھی نہیں کروں گا۔

لومڑی :۔ اُف میاں خرگوش۔ تم سمجھتے کیوں نہیں۔ میں نے بالکل توبہ کرلی ہے میں تمھارے احسان کا بدلہ کبھی نہیں بھولوں گی۔ مجھے اس نامعقول پنجرے سے باہر نکال دو۔ نکال دو نا میرے اچھے پیارے خرگوش۔!

خرگوش :۔ مگر، خالہ آپ میرے پیارے بھائی، بھورے، کو کھا چکی ہو۔

لومڑی :۔ تم مدّتوں پہلے کی بات کر رہے ہو۔ مجھے اُس کا افسوس ہے۔ اب میں بہت اچھی بن چکی ہوں۔ توبہ کر چکی ہوں۔ اب میں نیک بن کر زندگی گزارنے کی قسم کھا چکی ہوں۔!

خرگوش :۔ مجھے تو ذرا بھی اُمید نہیں کہ آپ واقعی نیک زندگی گزاریں گی۔

لومڑی :۔ مگر بھلا میں اس پنجرے کے اندر بند رہ کر کیسے نیک بن سکتی ہوں۔ میں توبہ کر چکی ہوں کہ میں کسی بھی خرگوش کو نہیں کھاؤں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔!

خرگوش :۔ مگر آپ اپنا وعدہ بھول گئیں تو میں کیا کروں گا!

لومڑی :۔ نہیں۔ میں اپنا وعدہ نہیں بھول سکتی ہوں۔ میری یادداشت اتنی خراب نہیں ہے۔!

خرگوش :۔ اچھا۔ اگر آپ وعدہ کرتی ہیں تو میں آپ کو پنجرے سے باہر

بنائے دیتا ہوں۔ مگر دیکھیے آپ جو کہہ رہی ہیں اُسے بھولیے گا
نہیں۔!
وہ پنجرے کے قریب آتا ہے۔ تالے میں لگی ہوئی چابی گھماتا
ہے۔ تالا کھل جاتا ہے۔ دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ لومڑی باہر
نکل آتی ہے)!

لومڑی:۔ (خوش ہوکر ناچتی ہے) ہاہا۔ ہاہا ...! اب میں آزاد ہوں۔
(وہ ناچتے ناچتے رُک جاتی ہے اور پھر خرگوش کو سونگھتی ہے)
اُف میں تو بھول ہی گئی۔ میں بہت بھوکی ہوں۔ میں نے بہت
دِنوں سے کسی خرگوش کو نہیں کھایا۔ میاں خرگوش میں تم کو
کھاؤں گی۔!

خرگوش:۔ (خوف کے مارے کانپ جاتا ہے) مگر... مگر آپ نے تو وعدہ
کیا تھا کہ آئندہ کسی بھی خرگوش کو نہیں کھائیں گی۔ آپ اپنا
وعدہ اتنی جلدی بھول گئیں!

لومڑی:۔ ہاں میں نے وعدہ کیا تھا۔ مگر میں اُس وقت یہ بھول گئی تھی کہ
میں بہت بھوکی ہوں۔!

خرگوش:۔ مگر میں نے آپ کے ساتھ احسان کیا ہے اس کا بدلہ مجھے یہ
دے رہی ہیں۔

لومڑی :۔ ہوں! نیکی اور احسان کا بدلہ۔! یہ سب فضول کی باتیں ہیں
تم نے یہ سب کہاں سنا ہے!
خرگوش :۔ یہ سب باتیں ساری میری ماں نے بتائی تھیں مجھے۔
لومڑی :۔ کیا تم نے کبھی احسان کو دیکھا ہے؟
خرگوش :۔ نہیں۔ احسان اور نیکی وغیرہ دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ ان کو
کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ آپ بھی نہیں دیکھ سکتیں۔
لومڑی :۔ افسوس! میں سوچ رہی تھی کہ میں تمہارے بدلے میں اس کو
کھا لیتی۔ خیر مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے تم تیار ہو جاؤ۔
خرگوش :۔ خالہ جان۔ میں نے تو آپ کے ساتھ بھلائی کی ہے۔ آپ بھی
میرے ساتھ بھلائی کر دیجیے۔ مجھے بخش دیجیے، مجھے نا کھائیے۔
لومڑی :۔ پیارے خرگوش، میں تم کو ضرور کھاؤں گی۔ مگر تم ضد کرتے ہو تو
اتنا کروں گی کہ اگر تم تین جانوروں سے یہ کہلوا دو کہ احسان کا
بدلہ اچھی چیز ہے تو میں تم کو نہیں کھاؤں گی۔
خرگوش :۔ (خوش ہو کر) اچھا، یہ شرط مجھے منظور ہے۔ تو پہلے چچا لکڑدادوں کوں
سے ہی پوچھ لیا جائے۔
(لکڑدوں کوں سے مخاطب ہو کر) چچا کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کیا
احسان کا بدلہ اچھی چیز ہے؟

ککڑوں کوں :۔ احسان کا بدلہ! میں نے اس دنیا میں بہت کچھ دیکھا بھالا ہے
لیکن احسان کا بدلہ نہیں دیکھا۔ ذرا ان حضرت انسان کو ہی دیکھ لیجیے۔
میری بیوی کے انڈے کھا جاتے ہیں۔ میرے بچوں کا شوربہ بناتا۔
ہے۔ اور تو اور میں جب سویرے بانگ دیتا ہوں تو بجائے اس
کے کہ بستر سے نکل آئے مجھے گالیاں دیتا ہے کہ اس کم بخت مرغ
نے نیند خراب کر ڈالی! جہاں تک میں سمجھا ہوں احسان کا بدلہ
نہیں ہے!

لومڑی :۔ میاں خرگوش۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ احسان کا بدلہ کسی نے
نہیں دیکھا اور اچھی چیز نہیں ہے۔ اب مجھے چاہیے کہ تم کو چٹ
کر جاؤں۔

خرگوش :۔ ذرا ٹھہریے، ذرا اُلو میاں سے بھی پوچھ لیا جائے۔ ان کی عقل مندی
تو ساری دنیا میں مشہور ہے (اُلو سے مخاطب ہوتا ہے)۔
محترم اُلو صاحب۔ ایک بات کا فیصلہ کر دیجیے۔ آپ تو عقل مندی
کے بادشاہ ہیں ۔۔۔

اُلو :۔ میں ابھی سو رہا ہوں۔ میری نیند خراب مت کرو!

خرگوش :۔ میری زندگی کا سوال ہے۔ ذرا بتا دیجیے کیا احسان کا بدلہ
اچھی چیز ہے۔

اُلّو : کہہ دیا ناکہ میں ابھی سو رہا ہوں۔

لومڑی :۔ اُلّو میاں کے کہنے کا مطلب ہے کہ احسان کا بدلہ اچھی چیز نہیں ہے۔ فیصلہ ہوگیا اب تم بتاؤ کہ تم کو کچّا کھایا جائے یا پکا کر۔!

اُلّو :۔ (جاگ جاتا ہے) کیا بی لومڑی پنجرے کے باہر ہیں؟

خرگوش :۔ ہاں۔ وہ پنجرے کے باہر ہیں۔

اُلّو :۔ کیا تُم نے اُسے باہر نکالا ہے؟

خرگوش :۔ جی ہاں۔ میں نے ہی خالہ لومڑی کو پنجرے سے باہر نکالا ہے۔

اُلّو :۔ تب تو میں کہوں گا کہ احسان کا بدلہ اچھی چیز ہے۔

خرگوش :۔ (خوش ہوکر) شکریہ جناب۔ چلو ایک تو ملا۔

لومڑی :۔ مگر تُم کو دوسرا ابھی تلاش کرنا ہے۔ جلدی کرو، بھوک کے مارے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔

(اُسی وقت بی مینڈکی داخل ہوتی ہیں)

خرگوش :۔ اُف یہ تو بہری ہیں۔ ان کی سمجھ میں کیا خاک آئے گا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس وقت بی بطخ ہوتیں۔

بی مینڈکی :۔ صبح بخیر سب کو سال گرہ مبارک۔ ہر روز اس دنیا میں کسی نہ کسی کی سال گرہ ہوتی رہتی ہے۔ میری یادداشت اب اتنی کمزور ہے کہ میں نام یاد نہیں رکھ سکتی۔ خیر!

لومڑی :۔ (خرگوش سے) اب تم اس سے پوچھتے ہو یا میں تم کو کھانا شروع کروں؟

خرگوش :۔ (بی مینڈکی سے) دادی آداب۔

بی مینڈکی :۔ جیتے رہو۔ اچھا تو آج تمھاری سال گرہ ہے۔ خوب میں تو بھول ہی گئی تھی۔

خرگوش :۔ نہیں۔ میری سال گرہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ خالہ لومڑی پنجرے کے اندر بند تھیں۔ میں نے اُن کو باہر نکالا۔ اب یہ مجھے کھانا چاہتی ہیں اور۔۔۔

بی مینڈکی :۔ (بات کاٹ کر) مگر میں اب سوئٹر بُننے کے قابل نہیں ہوں۔ تمھارے دادا کا سوئٹر بھی پھٹ گیا ہے۔ مگر بیٹا میری آنکھوں سے نہیں سجھائی دیتا!

خرگوش :۔ اللہ رحم کر! (زور سے) دادی جان بات یہ ہے کہ میں نے خالہ لومڑی کو پنجرے سے باہر نکالا۔ اب یہ مجھے کھا لینا چاہتی ہیں۔ اب مجھے دو ایسے جانور چاہییے جو یہ کہہ سکیں کہ احسان کا بدلہ اچھی چیز ہے۔

بی مینڈکی :۔ اچھا تو یہ بات ہے۔ تم پنجرے کے اندر بند تھے!

خرگوش :۔ نہیں۔ خالہ لومڑی بند تھیں۔

بی مینڈکی :۔ اچھا تو تم دونوں بند تھے۔

خرگوش :۔ نہیں صرف خالہ لومڑی۔

لومڑی :۔ جلدی کہہ ڈالو۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔

(گگڑوں کوں دیوار سے اڑ کر آتا ہے) ٹھہرو، میں سمجھاتا ہوں ان بڑی بی کو۔ (زور سے کہتا ہے) بی لومڑی اندر بند تھیں اور خرگوش باہر تھا۔

بی مینڈکی :۔ (اطمینان سے بیٹھ جاتی ہیں) اب مجھے سمجھاؤ کہ کون کہاں تھا اور کیوں تھا!

خرگوش :۔ (جھنجھلا کر) میں باہر تھا۔

لومڑی :۔ میں پنجرے کے اندر تھی۔

بی مینڈکی :۔ بھلا تم پنجرے کے اندر کیوں گئیں!

لومڑی :۔ بس یوں ہی چلی گئی تھی۔

بی مینڈکی :۔ اچھا تو بات سیدھی سی ہے۔ تم اندر چلی گئیں اور باہر آگئیں۔ قصہ ختم۔

گگڑوں کوں :۔ نہیں۔ بی لومڑی اندر سے باہر خود نہیں آئیں۔

بی مینڈکی :۔ تعجب ہے۔ بی لومڑی اندر جا سکتی ہیں۔ مگر باہر نہیں آسکتیں۔ ایسا کیوں؟

گگڑوں کوں :۔ پنجرے کا دروازہ باہر سے بند تھا: اس میں تالا پڑا تھا،
ایک آدمی نے بند کر دیا تھا۔ آیا کچھ سمجھ میں!

بی مینڈکی :۔ ارے! بات اور اُلجھ گئی۔ پہلے تو صرف خرگوش اور لومڑی تھی
اب ایک آدمی بھی آگیا اور تالا بھی۔ چلو پنجرے کے پاس لے
چلو مجھے۔

(سب پنجرے کے قریب جاتے ہیں)

لومڑی :۔ میں پنجرے کے اندر تھی اور خرگوش باہر تھا۔

بی مینڈکی :۔ تم اندر کیسے گئیں۔ ذرا مجھے بتاؤ تو سہی۔

(لومڑی اندر چلی جاتی ہے)

بی مینڈکی :۔ اچھا تو آدمی کہاں تھا؟

گگڑوں کوں :۔ آدمی وہاں کہیں نہیں تھا۔

بی مینڈکی :۔ تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔

خرگوش :۔ نہیں دروازہ بند تھا۔ اور تالا لگا ہوا تھا۔

بی مینڈکی :۔ اچھا ذرا بتاؤ تو کیسے بند تھا اور تالا کیسے لگا تھا!

(خرگوش دروازہ بند کر دیتا ہے اور تالا بھی لگا دیتا ہے)

بی مینڈکی :۔ اب سمجھی۔ دروازہ بند تھا۔ لومڑی پنجرے کے اندر بند تھی۔
اور میاں خرگوش نے دروازہ کھولنے کی حماقت کی تھی۔

لومڑی :- (چلّاتی ہے) دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولو۔

بی مینڈکی :- اب تم آرام سے بند رہو۔ دروازہ اب نہیں کھُلے گا۔

لومڑی :- مگر یہ تو دھوکہ ہے۔ یہ بہت بُری بات ہے مجھے باہر نکالو۔ میں توبہ کرتی ہوں....

بی مینڈکی :- بی لومڑی... جو دوسروں کو دھوکہ دیتا ہے اسے ضرور سزا ملتی ہے!

لومڑی :- (روتی ہے گڑگڑاتی ہے۔) میری توبہ۔ اب کبھی دھوکہ نہیں دوں گی، خدا کے لیے باہر مجھے نکالو۔

خرگوش، کُکڑوں کوں اور بی مینڈکی رقص کرتے ہیں۔

(پردہ گرتا ہے)

:H. /New S.S.C.H

اور ریاست کے تعلقات کا مطالعہ کرتا ہے اور معاشیات انسانی کردار کے معاشی پہلو کا

ہوئے آپ کے دیے ہوئے حالات میں ذہن کس طرح کام کرتا ہے۔ اسی طرح محنت کی کارکردگی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

آؤ سمندروں کی سیر کریں

مصنف: محمد شمس الحق

صفحات: 183

قیمت: -/20 روپے

اپنے گھر کو واپسی

از: سروجنی سنہا

مصنف: پی۔ جی۔ ورما

صفحات: 128

قیمت: -/28 روپے

الوہا اور کالا کوا

مصنف: صالحہ عابد حسین

صفحات: 28

قیمت: 3.15 روپے

اونٹ راجا

مصنف: پریما راما کرشنن

صفحات: 24

قیمت: -/7 روپے

بیگم کنگرو کی تھیلی کے لیے ایک تحفہ

مصنف: سنتھنی گووندن

مترجم: ریحانہ رضوی

صفحات: 16

قیمت: -/15 روپے

بڑھیا اور کوا

مصنف: شنکر

صفحات: 24

قیمت: 9.50 روپے

ISBN 978-81-7587-360-5





कौमी काउन्सिल बराए फरोग-ए-उर्दू जबान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025